© rasailojaraid.com

امام طحاویؒ

از جناب مولوی سید قطب الدین صاحب حسینی صابری، ایم۔اے (عثمانیہ)

مغربی علوم و فنون کی تعلیم اردو زبان میں عثمانیہ یونیورسٹی کی ایک ایسی جاذب توجہ خصوصیت ہے کہ عموماً لوگوں میں اس کی شہرت جو کچھ بھی پہنچی وہ اسی حیثیت سے پہنچی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عہدِ عثمانی کے اولوالعزمانہ تجدیدی کارناموں میں یہ ایک ایسا بے نظیر کارنامہ ہے کہ آج ہندوستان ہی نہیں بلکہ مشرق چاہے تو اس پر فخر کر سکتا ہے۔ فنونِ عامہ و فلسفہ، تاریخ، معاشیات، عمرانیات وغیرہ اور علومِ حکمیہ و طبعیات کیمیا، حیوانیات و نباتیات وغیرہ سب کی تعلیم کا ابتدائی درجوں سے ایم۔اے بلکہ ریسرچ (تحقیقاتی مدارج) تک اردو زبان میں کامیابی کے ساتھ منصۂ شہود پر لے آنا، کوئی معمولی اقدام نہیں ہے۔ اس کے دور رس نتائج کا اندازہ ابھی آسان نہیں ہے۔

لیکن اسی کے ساتھ بڑے رنج و افسوس کے ساتھ اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اردو وارد کے ہنگاموں میں عثمانیہ یونیورسٹی نہیں بلکہ "الجامعۃ العثمانیہ" کی جو سب سے بڑی خصوصیت ہے عموماً عوام کو اس کی خبر بالکل نہیں میرا اشارہ جامعہ عثمانیہ کے شعبہ دینیات کی طرف ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبہ ہائے فنون و سائنس میں اس وقت جو تعلیم ہو رہی ہے زبان کے امتیاز سے اگر قطع نظر کر لیا جائے تو بلا کم و کاست ظاہراً و باطناً صورۃً ومعناً یہ وہی تعلیم ہے جو آج ہندوستان کے ہر صوبہ بلکہ ایک ایک صوبہ کے مختلف جامعات میں مروج ہے۔

لیکن جامعہ عثمانیہ کے شعبۂ دینیات میں اسلامی علوم (قرآن و حدیث فقہ و کلام) کی تعلیم کا جو نیا قالب تیار کیا گیا ہے یعنی میٹرک تک طلبہ کو اسلامی علوم کے مضامین کے ساتھ ساتھ انگریزی ادب اور تاریخ، جغرافیہ، ریاضی سائنس وغیرہ کا وہی نصاب پڑھایا جاتا ہے جو فنون و سائنس کے طلبہ پڑھتے ہیں اور انٹرمیڈیٹ سے ان کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلامی مضامین کے ساتھ ساتھ بی اے تک شعبۂ فنون کے طلبہ کے ساتھ انگریزی ادب اور عربی ادب کا پڑھنا اور ان میں امتحان دینا ضروری ہے، بی، اے کے بعد اسلامیات کے مضامین چارگانہ (تفسیر حدیث، فقہ، کلام) میں سے کسی ایک مضمون میں ایم، اے۔ اور ایم، اے کے بعد ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے ریسرچ کلاس (تحقیقاتی درجے) میں تعلیم حاصل کرنے کا باضابطہ نظم کیا گیا ہے۔ حکومت نے پوری فیاضی کے ساتھ ہر قسم کی ضروریات ولوازم اساتذہ و طلبہ کے لئے فراہم کئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جامعہ عثمانیہ کا یہ ایک ایسا امتیاز ہے کہ ہندوستان تو ہندوستان آج مصر و قسطنطنیہ، ایران و افغانستان جیسے اسلامی ممالک میں بھی اسلامی علوم کی تعلیم کا جہاں تک مجھے معلوم ہے اس خاص عصری طرز نو کے ساتھ شاندار انتظام نہیں کیا گیا ہے۔

جامعہ عثمانیہ کے شعبۂ دینیات میں اسلامی علوم کی تعلیم کس طریقے سے دی جاتی ہے اس کا ایک اجمالی اندازہ آپ کو اس مقالہ سے ہو سکتا ہے جو برہان میں شائع ہو رہا ہے۔ جامعہ عثمانیہ کے امتحان، ایم اے میں قاعدہ یہ ہے کہ منجملہ آٹھ پرچوں کے امتحان کا ایک پرچہ "مقالہ" کا ہوتا ہے۔ جس مضمون میں امیدوار امتحان دینا چاہتا ہے اسی مضمون کے کسی عنوان پر ایک مقالہ بھی پیش کرنا ضروری ہے۔ یہ مقالہ جامعہ کے اساتذہ کی نگرانی میں طلبہ تیار کرتے ہیں۔

"امام طحاوی" کا یہ مقالہ جو اس وقت آپ کے سامنے پیش ہو رہا ہے۔ ایم، اے کے ایک سابق طالب العلم عزیز محترم مولوی سید شاہ قطب الدین حسینی، ایم، اے سلمہ اللہ تعالیٰ نے خاکسار کی نگرانی میں مرتب کیا ہے۔ جسے ۱۹۴۰ء کے امتحان میں انھوں نے پیش کیا تھا۔ قطب میاں حیدرآباد کے ایک مشہور مشائخ خاندان کے چشم چراغ ہیں ان کے اس مقالہ سے جہاں ان کی دماغی و ذہنی کیفیت کا اندازہ ہوتا ہے اسی کے ساتھ ان لوگوں کو جو جامعہ عثمانیہ کے شعبہ دینیات اور اس کے خصوصیات سے ناواقف ہیں۔ اس کا بھی پتہ چلے گا کہ قدیم عربی مدارس میں اسلامی علوم کی تعلیم جس نہج پر اس وقت تک جاری ہے، اس میں اور جس جدید تجربہ کی طرف جامعہ عثمانیہ کے شعبۂ دینیات نے اقدام کیا ہے، دونوں میں کیا فرق ہے۔

آخر میں اس کا اظہار بھی ضروری ہے کہ مضمون پڑھنے والوں کو اس کا خیال بھی ضرور کرنا چاہئے کہ یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک نومشق طالب العلم کی پہلی کوشش ہے جسے مدیر صاحب برہان کی فرمائش پر شائع کرنے کی جسارت کی جارہی ہے۔

خاکسار۔ مناظر احسن گیلانی

(صدر شعبۂ دینیات) جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

میرے مقالہ کا عنوان امام ابوجعفر احمد بن محمد بن سلمۃ الازدی رحمۃ اللہ علیہ، اور فنِ حدیث کے متعلق ان کے خصوصی مجاہدات ونظریات ہیں۔ میں نے اپنے مضمون کو دو حصوں پر تقسیم کردیا ہے پہلے حصہ میں امام طحاویؒ کے کچھ شخصی حالات درج ہوں گے اور دوسرے حصہ میں فنِ حدیث کے متعلق ان کے بعض خصوصی کارناموں کا تذکرہ کیا جائیگا۔

حصۂ اوّل

نام ونسب امام طحاوی کا نام احمد ہے، والد کا نام محمد اور دادا کا نام سلمۃ تھا، کنیت ابوجعفر، نسبی نسبت الازدی الحجری اور وطنی الطحاوی ہے۔ سن ولادت باختلاف آرار ۲۲۹ھ تا ۲۳۸ھ اور وفات بالاتفاق ۳۲۱ھ ہے خاندانی طور پر یہ شافعی تھے، لیکن بعض واقعات پیش آئے جن کی وجہ سے خاندانی مسلک کو ترک کرکے انھوں نے حنفی مذہب اختیار کرلیا۔ اور زندگی کا بڑا حصہ حنفی مذہب کی حمایت میں گذرا۔ اس سلسلہ میں "حدیث" کے شعبۂ "متن" کے مطالب بیان کرنے اور مختلف روایتوں میں تطبیق دینے میں خدا نے ان کو ایسا کمال عطا کیا، جس کی نظیر اسلام کی تاریخ میں بمشکل پیش کی جاسکتی ہے۔ اسی تخصیصی کارنامے کے سلسلہ میں ان کی سب سے پہلی تصنیف معانی الآثار، اور سب سے آخری تصنیف مشکل الآثار ہے۔ درمیان میں مختلف علوم وفنون کے متعلق اور بھی ضخیم مجلدات میں انھوں نے اپنی یادگاریں چھوڑی ہیں جن کا ذکر مناسب مقام پر کیا جائے گا

امام طحاویؒ کا یہ تو اجمالی تذکرہ تھا، اب میں ان کے حالات پر ذرا تفصیلی طور پر کچھ بحث کرتا ہوں۔

الطحاوی دراصل طحا نامی مصر کے ایک گاؤں کی طرف نسبت ہے۔ السمعانی انساب میں طحا کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متعلق لکھتے ہیں۔

قریۃ باسفل ارض مصر من الصعید العمل فیھا الکیزان یقال لھا الطوبیۃ من طین احمر۔ (۳۶۸ مطبوعہ جرمنی)	الصعید کے حصہ میں مصر کہ نشیبی علاقہ کے ایک گاؤں کا نام ہے جہاں طوبیہ نامی کوزے سرخ مٹی سے بنائے جاتے ہیں۔

مصر کی علمی دوستی تاریخ کا ایک اجمالی تذکرہ

واقعہ یہ ہے کہ اسلامی فتوحات کا دائرہ جب عہدِ فاروقی میں وسیع ہوا اور اتنا وسیع ہوا کہ چند ہی سالوں میں کسریٰ کے سارے مقبوضات اور قیصر کی حکومت کا ایک بڑا حصہ، ممالکِ محروسہ اسلامیہ میں داخل ہوگیا۔ قیصر ہی کی نگرانی میں اس وقت فرعون کی زمین مصر بھی تھی حضرت عمرو بن العاص مشہور صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر مصر فتح ہوا اور مسلمان جوق درجوق اس ملک میں جاکر بسنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابِ کرام میں جتنے نفوسِ طیبہ نے اس ملک کو اپنا وطن بنایا السیوطی نے اپنے مشہور رسالہ "درالسحابہ" میں ان کی تعداد تین سو بتائی ہے۔ اسی سے صحابیوں کی اولاد اور دوسرے مسلمانوں کا اندازہ ہوسکتا ہے، اسی کے ساتھ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ عہدِ صحابہ میں جتنے ممالک فتح ہوئے ان میں اگرچہ چند علاقے ایسے تھے جہاں علم وتہذیب کی کافی روشنی پائی جاتی تھی لیکن اس اعتبار سے مصر کا درجہ سب سے بلند تھا۔ اسی ملک میں مسلمانوں کو اسکندریہ کے مشہور دارالعلوم اور اس کے متعلقہ اساتذہ و کتب خانوں کے دیکھنے، ان اساتذہ سے ملنے جلنے اور طور وطریقہ کے تجربہ کرنے کا موقع ملا۔ میری بحث بہت طویل ہو جائے گی اگر میں مصر کے قبل الاسلام علمی وتعلیمی حالات کی یہاں تفصیل کروں۔ بالفعل میرا صرف اتنا اشارہ ہی کافی ہے۔ مصر کی اس علمی وتعلیمی خصوصیت کا اقتضاء تو یہ تھا کہ مسلمان علوم الاوائل[1] کے مقابلہ میں

---

[1] تقدیری گردش کا ایک معمولی نمونہ یہ علوم الاوائل کا لفظ ہے معنی پرانے لوگوں کے علوم۔ مسلمانوں کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جدید علوم کا ایک نیا سرچشمہ ہاتھ آیا تھا تو جدید علوم کے اس حصہ کو دنیا کے دوسرے علوم جو اس زمانہ میں مروج تھے یعنی حساب، ریاضی، فلسفہ، ہیئت منطق وغیرہ کو علوم الاوائل کہتے تھے لیکن چرخ نیلوفری کی گردش نے آج ان ہی دماغی علوم کو علوم جدیدہ کا خطاب عطا کیا ہے اور مسلمان جس علم کو جدید علم قرار دیتے تھے وہ تو خیر کیا باقی رہتا؟ (باقی ص ۲۹ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے علوم جدیدہ کی ترتیب وتبویب، تصنیف وتالیف میں جب مشغول ہوئے تو اس کام کا سہرا مصر اور مصری علماء کے سر بندھا، خصوصاً جب ہمیں یہ بھی معلوم ہے، کہ صحابہ اور تابعین کی ایک بڑی تعداد مصر پہنچ کر وہاں توطن پذیر ہوگئی تھی۔ خصوصیت کے ساتھ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ جو فقہاء مدینہ کے گویا امام ہیں۔ ان کے مشہور جانشین اور خلیفہ اور ان کے علم کے راوی حضرت نافع جن کا شمار سلسلۃ الذہب یعنی سنہری کڑیوں میں کیا جاتا ہے۔ محض تعلیم وتدریس کے لئے حضرت عمر ابن عبدالعزیز خلیفہ نے ان کا تقرر مصر میں کیا تھا۔ السیوطی لکھتے ہیں۔

بعثہ عمر بن عبدالعزیز الی مصر یعلمہم السنن فاقام بھا مدۃ۔ ؎۱	عمر بن عبدالعزیز نے ان کو مصر بھیجا تھا تاکہ لوگوں کو سنن کی تعلیم دیں۔ اسی لئے نافع وہاں (مصر) میں ایک مدت تک مقیم رہے،

بہر حال نافع نے ایک مدت تک مصر میں اس علمی خدمت کو انجام دیا، اور ان کے حلقۂ درس سے بعض ایسے علماء نکلے، جن کا شمار ائمہ مجتہدین میں کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً حضرت لیث ابن سعد المصری الامام جن کے متعلق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی جو امام مالک کے ارشد تلامذہ میں تھے لیکن اس کے باوجود لیث بن سعد کے متعلق ان کی منصفانہ رائے یہ تھی کہ

کان اللیث افقہ من مالک الا انہ ضیّعہ اصحابہ۔ ؎۲	لیث حضرت امام مالک سے زیادہ فقیہ تھے لیکن لیث کو ان کے شاگردوں نے ضائع کردیا۔

اس علمی جلالتِ قدر کے ساتھ لیث مصر کے دولتمندوں میں بھی امتیاز رکھتے تھے وہ ایک خاندانی جاگیردار یا زمیندار رئیس تھے، ان کی آمدنی تقریباً کئی لاکھ روپیہ سالانہ سے متجاوز تھی، علم وامارت دونوں قوتوں نے

(بقیہ حاشیہ ص ۲۸) آہ! اکثروں کی نگاہوں میں وہ علم کہلانے کا بھی مستحق نہیں۔ آج جامعہ عثمانیہ کے سوا ہندوستان کی عام تعلیم گاہوں سے قرآن وحدیث فقہ کلام کی تعلیم کو شہر بدر جو کیا گیا ہے آخر اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ ان علوم کو علم ماننے کے لئے زمانہ تیار نہ تھا

(حاشیہ صفحہ ہذا) ؎۱ السیوطی ج ۱ ص ۱۱۹۔ ؎۲ حسن المحاضرہ ص ۱۲۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مصر میں ان کے اقتدار کو اتنا مستحکم کر دیا تھا کہ گو حکومت کے کسی عہدہ پر سرفراز نہ تھے تاہم

کان نائبَ مصر و قاضیھا من تحتِ	مصر کا نائب خلیفہ (گورنر) اور مصر کا قاضی ہمیشہ لیث کے
اوامر اللیث وکان اذا رابہ من احد شئ	احکام کا تابع رہتا تھا۔ لیث کو کسی کا طرز عمل جب شک
کاتب فیہ فیعزلہ وقد اراد ہ	میں مبتلا کرتا تو (مرکز) کو لکھتے اور اسکو معزول کرا دیتے خلیفہ
المنصور ان یُولّیہٗ امرۃَ مصر	منصور نے چاہا کہ مصر کی گورنری ان کے سپرد کر دے لیکن
فامتنع ۵۱	انھوں نے انکار کیا۔

علم کی خدمات کے سلسلہ میں ان کے کارنامے مشہور ہیں۔ تاریخ کی اکثر کتابوں میں حضرت امام مالکؒ کے ساتھ ان کے دوامی حسنِ سلوک کے واقعات درج ہیں۵۲ خطیب نے لکھا ہے کہ اپنے حلقۂ درس کے طلبہ کے زیادہ تر مصارف کا انتظام یہ خود اپنی ذاتی آمدنی سے کرتے تھے۔ ان کی فراخ چشمی اور ذوقِ علم کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ موسم سرما میں طلبہ کو جو ناشتہ ان کے یہاں سے ملتا تھا اس میں علاوہ دوسری چیزوں کے بھنے ہوئے بادام کا ستو بھی ہوتا تھا۔

ان لوگوں کے لئے جو مدعی ہیں کہ مسلمانوں نے اپنے سارے علوم دوسری قوموں کے نقشِ قدم پر چلکر اور ان ہی کو دیکھ دیکھ کر مدون کئے ہیں۔ یہ واقعہ قابلِ غور ہے کہ مصر ہی اس زمانہ میں مشرقِ قریب کا سب سے بڑا علمی مرکز تھا۔ مسلمانوں کو یہاں رہنے سہنے کا بھی موقع ملا اور بڑے بڑے اہلِ علم نے یہاں اسلامی علوم کی خدمت بھی کی، لیکن باوجود اس کے اسلامی علوم یعنی قرآن وحدیث، فقہ میں سے کسی علم کے متعلق مصر کو سبقت حاصل نہ ہو سکی۔ باوجود اتنے سازوسامان کے وہ ان علوم میں مدت تک اسلام کے دوسرے علمی مرکزوں کا دست نگر بلکہ ماتحت رہا۔ مصر والوں کا اسلامی علوم کے متعلق جو حال رہا اس کا اندازہ اسی واقعہ سے ہو سکتا ہے

---

۵۱ حسن المحاضرہ ص ۱۲۱۔ ۵۲ کہا جاتا ہے کہ امام مالک نے لیث کی خدمت میں ایک "صینیہ" (سینی) بھر کر کھجوریں تحفہ میں بھیجیں لیث نے طلائی اشرفیوں سے بھر کر اس صینیہ کو واپس کیا۔ ۱۲۔ ابن خلکان۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ بیچارے لیث بن سعد نے مختلف علمی مرکزوں میں گھوم پھر کر بڑی محنت سے زہری، عطا بن ابی رباح وغیرہ جیسے جلیل القدر تابعین کے علوم کو حاصل کیا اور خود مصر میں بھی نافع مولی ابن عمر سے ان کو بہت کچھ ذخیرہ ہاتھ آیا۔ لیث نے اس کے بعد جیسا کہ میں نے عرض کیا اپنی ساری مالی قوت اشاعت علم میں صرف کر دی، لیکن پھر بھی امام شافعی کی شہادت ہے کہ ان کے شاگردوں میں کوئی اس قابل نو کیا ہوتا کہ خود کچھ کرتا دھرتا۔ اتنا بھی ان لوگوں سے نہ ہو سکا کہ لیث کے سرمایہ ہی کو برباد ہونے سے بچا لیتے۔

مگر اس کے مقابلہ میں اسلامی قوانین و مسائل کی بنیاد کہاں پڑتی ہے، ٹھیک اسی جگہ جو بالکل مسلمانوں کی اپنی بنائی ہوئی خاص نوآبادی تھی یعنی کوفہ جس میں زیادہ تر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب یا عرب کے مختلف قبائل کے فوجی سپاہی تھے یعنی کل کے کل ان ہی لوگوں سے کوفہ آباد ہوا تھا جنھیں غیر اقوام کے اہل علم سے تو خیر، شاید عوام سے بھی زیادہ ملنے جلنے کا کم ہی اتفاق ہوتا تھا اور کوفہ کے ساتھ ساتھ دوسرا مقام جہاں ہم اسلامی علوم کی گرم بازاری محسوس کرتے ہیں وہ مدینہ منورہ ہے یعنی ان ہی دونوں شہروں میں تقریباً ایک ہی زمانہ میں فقہ حنفی اور فقہ مالکی کی تدوین کا کام شروع ہوا، مدینہ میں بھی یہ کام اس وقت شروع ہوا، جب پایۂ تخت وہاں سے منتقل ہو کر دمشق اور بغداد چلا گیا۔ یونہی عرب میں غیر اقوام کے لوگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ کم تھا۔ پھر جب مدینہ منورہ نے بجائے سیاسی مرکز ہونے کے مسلمانوں کا صرف ایک مذہبی اور دینی مرکز ہونے کی حیثیت اختیار کر لی تو اس وقت مسلمانوں کے سوا غیر قوموں کے افراد کو اس سے کیا دلچسپی باقی رہ سکتی تھی، یہ خدا ساز بات تھی کہ مسلمانوں کی محنتوں اور جانفشانیوں پر خاک ڈالنے کے لئے جو یہ مفروضہ گھڑا جانے والا تھا کہ ارسطو کے ان قلیوں نے علوم الاوائل اور فنون پارینہ ہی کے متعلق نہیں بلکہ اپنے علوم و فنون میں بھی انھوں نے دوسروں کی صرف نقل اتاری ہے حتیٰ کہ اسی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کا قانون رومن لا اور دستور ایران کو سامنے رکھ کر بنایا گیا ہے لیکن تراشنے والوں نے کبھی یہ بھی سوچا کہ اگر یہی واقعہ ہوتا تو اسلامی قانون کی تدوین کی ابتدا بجائے کوفہ اور مدینہ منورہ کے اسکندریہ اور فسطاط یا مدائن اور بغداد میں ہوتی۔ کچھ نہیں تو صرف ایک ہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تاریخی حقیقت ان ہرزہ سرائیوں کی تردید کے لئے کافی ہوسکتی ہے۔ خیر یہ تو ایک تمہیدی ضمنی بات تھی، میں کہنا یہ چاہتا تھا کہ گو مصر اس عہد میں اگر ساری دنیا کا نہیں تو کم از کم افریقہ و یورپ اور ایشیا کے ان علاقوں کا جنھیں موجودہ زمانہ میں مشرقِ قریب کے نام سے موسوم کرتے ہیں، تمام علوم قدیمہ کا سب سے بڑا مرکز تھا لیکن خود اس سرزمین میں مسلمانوں کے علوم جدیدہ کے متعلق کوئی قابلِ ذکر کام ایک مدت تک انجام نہ پاسکا۔ لیث بن سعد نے کوشش بھی کی، لیکن کوشش بارآور نہ ہوئی، یہی وجہ ہے کہ مصر دوسروں کی تو کیا رہنمائی کرتا خود اپنی رہنمائی میں بھی ہمیشہ باہر کے علماء کی آراء کا محتاج رہا۔ حالانکہ مصر کے سوا ابتدائی صدیوں میں اسلام کے تمام مرکزی مقامات کے مسلمان عموماً خود اپنے قطر کے امام ہی کی پیروی کرتے تھے، مدینہ منورہ، مکہ معظمہ، کوفہ، بصرہ، شام، سب کا یہی حال تھا۔ ان سب کے مقابلہ میں بیچارہ اسکندریہ کے دارالعلوموں اور کتب خانوں والا ملک ایسا بدقسمت ملک تھا جو عموماً کسی بیرونی عالم کے اتباع پر مجبور رہا۔ ابتداءً اس ملک پر شام کے امام اوزاعی اور مدینہ منورہ کے امام حضرت امام مالکؒ کا اثر رہا۔ لیکن ابنِ وہب، ابنِ قاسم، ابن الفرات، اشہب، عبداللہ بن الحکم، اصبغ، مالکی مذہب کے ان علماء کا جن میں بعض امام مالک کے براہِ راست شاگرد تھے اور بعض بالواسطہ۔ ان لوگوں نے اس ملک پر اپنے علم و فضل کا ایسا سکہ قائم کیا کہ مدت تک یہاں پھر کسی دوسرے ائمہ کے خیالات کی اشاعت نہ ہوسکی۔

کہتے ہیں کہ سب سے پہلے حنفی فقیہ جو اس ملک میں قاضی بن کر داخل ہوئے وہ اسمٰعیل بن سمیع الکوفی السابری تھے جو باوجودیکہ بخاری و مسلم کے[۱] رواۃ میں ہیں لیکن چونکہ امام ابوحنیفہؒ کے فتویٰ پر عمل کرتے تھے اور مصر میں اس زمانہ تک لوگ (امام ابوحنیفہؒ) اور ان کے مسلک سے ناواقف تھے۔ اس بنا پر مصری ان سے سخت ناراض ہوئے، بالآخر حکومت جس کا پائے تخت اس وقت بغداد منتقل ہوچکا تھا، اس کو لیث بن سعد کے توسط سے مجبور کیا گیا، کہ اس حنفی قاضی کو مصر سے واپس بلا لیا جائے۔ لیث نے اس سلسلہ میں جو مراسلہ بھیجا تھا السیوطی نے بجنسہ اسے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔

یا امیر المومنین انک ولیتنا رجلا   اے مسلمانوں کے امیر! تم نے ہم پر ایسے آدمی کو نگراں مقرر

[۱] یہ مسلم کے رواۃ میں ہیں بخاری نے ان کی روایت نہیں کی (برہان) ۳۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یکید سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ساتھ

وسلم بین اظہرنا۔ بھی لوگوں کے سامنے چال چلتا ہے۔

لیکن اس شکایت کے ساتھ خط کے آخر میں اس کی شہادت ادا کی گئی تھی کہ

ما علمنا فی الدینار والدراھم الا خیرا یعنی رشوت کے لین دین سے ان کا دامن پاک ہے۔

بہرحال جہاں تک مجھے معلوم ہے اسمٰعیل بن سمیع مصر کے پہلے حنفی عالم ہیں جنھیں امام لیث کی تحریک سے عہدۂ قضا سے دست بردار ہونا پڑا۔ اس موقع پر ابن خلکان کا یہ بیان قابلِ ذکر ہے۔

رأیتُ فی بعض المجامیع ان اللیث کان حنفی المذھب بعض (مجامیع) میں میں نے دیکھا کہ لیث حنفی المذہب تھے۔

مذکورہ بالا مکتوب اگر صحیح ہے تو لیث کا حنفی المذہب ہونا عجیب ہے ۔ واللہ آیات ہا لا عاجیب۔

خیر یہ ایک تاریخی مسئلہ ہے جس کی تحقیق اپنے مقام پر ہونی چاہئے۔ قاضی اسمٰعیل کے چلے جانے کے بعد پھر مصر میں وہی مالکیوں کا زور قائم رہا۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہم جس زمانہ کے حالات بیان کر رہے ہیں، یہ اسلامی حکومت کے شباب کا عہد تھا۔ مسلمانوں کے پاس اگرچہ قرآن وحدیث اور آثارِ صحابہ کا ایک بڑا ذخیرہ موجود تھا لیکن آئے دن بکثرت ایسے حوادث وواقعات پیش آتے رہتے تھے جن کے لئے ہر دن ایک نئے فقہی جزئیہ کی ضرورت ہوتی تھی۔ مشہور ہے کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے اسی ضرورت نے ہر ملک میں ایک ایسے گروہ کو پیدا کر دیا تھا، جو ان پیش آنے والے حوادث کے متعلق قرآن وحدیث وآثار صحابہ کو پیش نظر رکھ کر قوانین پیدا کرتا رہتا تھا، ابتدا میں تو یہی تین چیزیں اساس اور اصول کی حیثیت سے استعمال کی جاتی تھیں لیکن جوں جوں زمانہ آگے بڑھتا جاتا تھا، ان فقہا کے مجتہدات بھی ان کے مکتب خیال کے ماننے والے علما اور ان کے تلامذہ میں ایک اساسی اصول کا درجہ حاصل کرتے جاتے تھے، یوں ہی ہر متقدم کے اقوال ونظریات متاخر کے لئے حجت بن جاتے تھے، اور ان تفریعات سے تفریعات، تفریعات سے استخراجات کا سلسلہ اس طرح جاری ہو جاتا تھا بلکہ اس کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جیسا کہ میں نے عرض کیا مصر دوسری صدی میں مالکی علماء کے ممتاز افراد کا ایک مرکزی مقام بنا ہوا تھا۔ چند ہی دنوں میں ابن قاسم، اشہب، عبداللہ بن الحکم، جیسے جلیل القدر ائمہ جن میں بعض ایک دوسرے کے معاصر تھے اس ملک میں پیدا ہوئے، ان میں اکثر امام مالک کے تلامذہ تھے یا ان کے شاگردوں کے شاگرد تھے، ان میں سے ہر ایک نے امام مالکؒ کے مجتہدات و استنباطی مسائل و تفریعات کے ساتھ ساتھ خود بھی زندگی کے ہر شعبہ میں جزئیات کا ایک بحر بیکراں پیدا کر دیا تھا، نتیجہ یہ ہوا جیسا کہ ہمیشہ ایسے موقع میں ہوتا ہے کہ قرآن اور حدیث و آثار صحابہ جو اسلامی قوانین کے حقیقی منابع اور سرچشمے ہیں، ان سے لوگوں کی توجہ بتدریج ہٹتی رہی اور اب قال ابن قاسم، قال اشہب، الیہ ذہب سحنون، بہ اخذ اصبغ، یہی علم رہ گیا اور ان ہی کے اقوال سے جزئیات کا پیدا کرنا اجتہاد قرار پایا، مالکیوں کے مذکورۂ بالا علماء میں سے تقریباً سب ہی اصحاب تصنیف و تالیف ہیں اور ہر ایک کے تصنیفی ذخیروں کی تعداد ہزارہا صفحات سے متجاوز تھی جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے صرف ابن قاسم کی مدونہ جو مطبوعہ ہو چکی ہے، ان لوگوں کے تصنیفی ذوق و شوق کے اندازہ کے لئے کافی ہے حالانکہ ان میں زیادہ تر امام مالک ہی کے اجتہادات درج کئے گئے تھے۔ ملک کی ضرورت کے سوا ایک اور چیز بھی تھی جو ان بزرگوں کو نئی نئی موشگافیوں پر آمادہ کرتی تھی، وہ علم کی وہی خصوصیت ہے جس سے اہلِ علم کا شاید ہی کوئی طبقہ کسی زمانہ میں محفوظ رہا ہو۔

امام اشہب اور امام ابن قاسم دونوں کا امام مالکؒ کے ارشد ترین تلامذہ میں شمار ہے۔ تقویٰ و طہارت زہد و عبادت میں ہر ایک بلند مقامات کا مالک تھا لیکن ابنِ خلکان نے لکھا ہے کہ دونوں میں مقابلہ رہتا تھا[۱]۔ ان علمی رقابتوں اور معاصرانہ چشمکوں کا یہی نتیجہ تھا کہ ہر ایک اپنے حلقہ ہائے درس میں نئے نئے پیچیدہ سوالات پیدا کرتا اور شاگردوں کو حکم دیتا کہ ذرا ان کے جوابات ان دوسرے عالم صاحب سے تو پوچھ کر آؤ، یا خود بخود لوگ ان سوالات کو دوسرے علماء تک پہنچاتے۔ اختلاف طبائع، معلومات اور دوسرے اسباب کی بنا پر بسا اوقات جوابات مختلف ہوتے اور بالآخر یہی اختلاف مباحث کے ایک طویل سلسلہ کا سبب بن جاتا۔

۱؎ ج ۱ ص ۷۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہرحال مصر بھی اسی حال میں مبتلا تھا، ہر طرف فقہ مالکی کے ماہرین پھیلے ہوئے تھے۔ اور ان کا زیادہ وقت ان ہی فقہی جزئیات اور تفریعات کے حل کرنے میں بسر ہو رہا تھا کہ ٹھیک ان ہی دنوں میں حق تعالیٰ نے سرزمین حجاز میں ایک نئے دل و دماغ کے آدمی کو علمی بلندی عطا کی، یوں تو اسلامی ممالک کا گوشہ گوشہ اہل علم سے بھرا ہوا تھا لیکن اس نوجوان عالم کو علاوہ دماغی اور ذہنی خصوصیتوں کے ایک قدرتی خصوصیت یہ حاصل تھی کہ ان کا نسبی تعلق قبیلۂ قریش، اور قریش میں بھی اس خانوادہ سے تھا جس کا سلسلہ کئی پشتوں کے بعد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا تھا۔ میری مراد حضرت امام شافعیؒ سے ہے جن کا پورا نام ابو عبد اللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن السائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن عبد المطلب بن عبد مناف ہے۔ یعنی دسویں پشت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا نسب متصل ہو جاتا ہے۔

امام شافعیؒ کہاں پیدا ہوئے، اس میں تو بہت کچھ اختلاف ہے۔ عموماً غزہ (فلسطین) کو ترجیح دی جاتی ہے تاہم اتنا یقینی ہے کہ دو ہی سال کی عمر میں وہ مکہ پہنچا دیئے گئے۔ یہیں قرآن یاد کیا اور بالآخر تحصیل علم کے لئے حضرت امام مالکؒ کے پاس مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور ایک زمانہ ان کی خدمت میں گذارا۔ طالب علم کی یہ پہلی مثال تھی کہ پڑھنے سے پہلے امام شافعیؒ نے امام مالک کی کتاب موطا زبانی یاد کر لی تھی۔ جب پڑھنے کے لئے امام مالک کے پاس حاضر ہوئے انھوں نے کتاب کھولنے کا حکم دیا، بولے زبانی سُناتا ہوں، کہا جاتا ہے کہ امام شافعیؒ کے اس رنگ کو دیکھکر امام مالکؒ نے اسی وقت بھانپ لیا کہ یہ لڑکا کچھ ہونے والا ہے۔ بولے ان یك احد یفلح فھذا الغلام (اگر کوئی کامیاب ہو سکتا ہے تو یہ وہی لڑکا ہے)

یہاں امام شافعیؒ دوسرے علما رفقہ وحدیث کے درس میں بھی حاضر ہوتے رہے بالآخر استاذ (امام مالکؒ) کی وفات کے پندرہ سولہ سال بعد مدینہ مستقل طور پر قیام کرنے اور اپنا خاص نقطۂ نظر جو اس عرصہ میں مختلف اساتذہ اور ملک کے عام حالات کے دیکھنے سے ان میں پیدا ہوا تھا اس کی اشاعت کے لئے اسلامی پائے تخت بغداد پہنچے۔ بغداد میں اس وقت حنفی فقہا کا طوطی بول رہا تھا۔ کیونکہ یہ وہی زمانہ ہے جب ہارون الرشید نے قاضی

© rasailojaraid.com

ابو یوسفؒ کو محکمۂ عدالت کے کلی اختیارات اس طور پر سپرد کر دیئے تھے کہ ممالک محروسہ میں کسی قاضی کا تقرر بغیر ان کی مرضی اور حکم کے نہیں ہو سکتا تھا۔ علامہ تیمور پاشا مصری لکھتے ہیں۔

لما قام هارون الرشيد في الخلافة ولى القضاء الى ابي يوسف صاحب ابي حنيفة بعد سنة سبعين ومائة فاصبحت تولية القضاء بيده فلم يكن يولى ببلاد العراق وخراسان والشام ومصر الى اقصى عمل افريقية الا من اشار به۔

جب خلافت کے منصب پر ہارون پہنچا تو اس نے قضاء کا کام ابو یوسفؒ کو جو ابو حنیفہؒ کے شاگرد تھے سپرد کر دیا یعنی ۱۷۰ھ میں یہ سپردگی عمل میں آئی۔ اس کے بعد قاضیوں کے مقرر کرنے کا اختیار امام ابو یوسفؒ کے ہاتھ میں آ گیا، عراق، خراسان، شام مصر اور افریقہ کی آخری حدود تک جہاں تک عباسیوں کی حکومت تھی، ان ممالک میں ہارون کسی کو قاضی مقرر نہیں کرتا تھا لیکن صرف اسی کو جس کے متعلق ابو یوسفؒ اشارہ کرتے۔

اس کے بعد ظاہر ہے عباسی حکومت کے تمام عدالتی محکموں پر حنفی فقہاء کا تسلط ایک قدرتی بات تھی اور یہ تو فقہ کا حال تھا۔ باقی پھر علم حدیث تو بغداد اس زمانہ میں بڑے بڑے ممتاز محدثین مثلاً امام احمد بن حنبل یحییٰ بن معین جیسے بزرگوں سے معمور تھا، کہا جاتا ہے کہ امام شافعیؒ نے اپنا نقطۂ نظر جب بغداد میں پیش کیا تو اور تو اور حدیث کے سب سے بڑے امام احمد بن حنبلؒ کو بھی ابتداءً ان کا طریقہ پسند نہ آیا۔ ابن خلکان نے یحییٰ بن معین کا قول نقل کیا ہے۔

كان احمد بن حنبل ينهانا عن الشافعي[1]

احمد بن حنبلؒ ہم لوگوں کو امام شافعیؒ کے پاس آنے جانے سے منع کرتے تھے

اسی لئے دو سال قیام کرنے کے بعد پھر مکہ معظمہ واپس ہو گئے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے لئے انھوں نے وہاں کوئی گنجائش نہ پائی لیکن اصلاح کا جو جذبہ ان میں متلاطم تھا اس نے پھر دوبارہ قسمت آزمائی پر آمادہ کیا اور پھر بغداد آئے۔ اس مرتبہ انھوں نے اپنے خیالات کو کتاب کی شکل میں قلم بند کرنا شروع کیا، خیال

---

[1] ابن خلکان ج ا ص ۴۴۷۔

© rasailojaraid.com

گزرتا ہے کہ تحریر کے ذریعہ سے اپنے منشار کی تعبیر میں وہ کامیاب ہوئے حتیٰ کہ خود امام احمد بن حنبلؒ بھی ان کے انتہائی نیازمندوں میں شامل ہوگئے، بیان کیا جاتا ہے کہ احترام کی آخری شکل یہ تھی کہ بغداد کی سڑکوں پر علانیہ امام احمد امام شافعی کے خچر کے پیچھے پیچھے تشریف لے جاتے تھے۔ مگر بغداد کا میدان ان کو پھر بھی تنگ نظر آیا اور وہ کسی ایسے مرکز کی تلاش میں تھے، جہاں اب تک اسلامی علوم پر مجتہدانہ کام نہ ہوا تھا۔

میں عرض کرچکا ہوں کہ اسلامی ممالک میں یہ خصوصیت صرف مصر کو حاصل تھی اب تک وہ بیرونی علماً کا دینی اور قانونی زندگی میں دست نگر تھا، امام کی عمر اس وقت جب مصر کی طرف روانہ ہوئے، کل ۴۸ سال کی تھی گویا اسی سرزمین کے لئے خدا نے ان کو پیدا کیا تھا مسلسل ۲۰ سال تک اس ملک میں وہ اپنے خصوصی نظریات اور مجتہدات کی اشاعت درساً و تصنیفاً فرماتے رہے اور مصر ہی کی سرزمین میں بالآخر آسودہ ہوئے[1]

امام شافعی کا خاص نقطۂ نظر کیا تھا؟ اس کا جواب اتنا آسان نہیں ہے کہ کسی مختصر مقالے کے تمہیدی بیان میں اس کی تفصیل کی جائے، تاہم جیسا کہ میں نے کہا تھا کہ مصر ہو یا بغداد، مدینہ منورہ ہو یا مکہ، ان تمام مرکزی مقامات میں دو ہی قسم کے علمی حلقے پائے جاتے تھے۔ ایک حلقہ فقہار کا تھا اور انہی کا اثر ملک اور حکومت پر زیادہ تھا کیونکہ دینی زندگی کے لئے عوام کو اور قانونی ضرورتوں کے لئے حکومت کو ان ہی کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا اور ان کا مشغلہ یہی تھا کہ اپنے اپنے اساتذہ اور ائمہ کے اقوال کو اصل قرار دیکر نئے حوادث و واقعات کے متعلق جزئیات پر جزئیات نکالتے چلے جاتے تھے۔ ہر پچھلا اپنے پہلوں کے قول کو بطور حجت اور دلیل کے استعمال کررہا تھا۔ اور دوسرا طبقہ محدثین کا تھا جو سندوں کے ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین کے اقوال و افعال نقل کیا کرتا تھا، ان کی توجہ متن سے زیادہ اسناد کی طرف مبذول رہتی تھی۔ امام شعبیؒ جیسے محدثین خود کہا کرتے تھے۔

انا لسنا بالفقهاء ولكنا سمعنا الحديث فرويناه للفقهاء (تذکرۃ الحفاظ للذہبی) ہم لوگ فقہا نہیں ہیں بلکہ ہماری حیثیت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہم سنتے رہتے ہیں پھر فقہا کے سامنے ان ہی حدیثوں کو روایت کردیتے ہیں۔

[1] امام شافعیؒ کی عمر وفات کے وقت کل چون سال کی تھی ۱۵۰ھ میں آپ کی ولادت عمل میں آئی اور ۲۰۴ھ میں وفات واقع ہوئی۔ اس لحاظ سے ۴۸ سال کی عمر میں مصر آئے اور [illegible] امام شافعی کا ورود ۱۹۹ھ کے آخر میں ہوا [illegible] امام کی عمر ۴۹ برس کی تھی، یہیں امام نے [illegible] پانچ سال کی مدت میں [illegible] کتب جدیدہ کی تصنیف [illegible] الاسماء واللغات امام نووی ج ۱ ص ۴۸ طبع مصر ج ۱۲ - (برہان)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گوان بزرگوں کا احترام ملک میں سب ہی کرتے تھے لیکن نہ پبلک کی کوئی ضرورت براہِ راست ان سے وابستہ تھی اور نہ حکومت کی غرض، یہی حال تھا جس میں امام شافعی نے اسلامی ممالک کو پایا، ان کو خدا نے حدیث کے ذخیروں کے حاصل کرنے کا بھی کافی موقع دیا تھا اور فقہا کے حلقوں میں بھی انھوں نے اپنی عمر کا ایک حصہ گذارا تھا، فقہا کا قرآن وحدیث سے عملاً بے توجہ ہوکر صرف اپنے اساتذہ اور ائمہ کے اقوال میں ہمہ تن غرق ہوجانا اور محدثین کا حدیثوں کے متن سے بے پرواہ ہوکر صرف سند کے قصوں میں الجھے رہنا یہ دونوں باتیں ان کو ناپسند ہوئیں انھوں نے ایک نئی راہ یہ نکالی کہ حوادث وواقعات کے سلسلہ میں بجائے اپنے استادوں کے اقوال کے کیوں نہیں براہ راست قرآن وحدیث ہی کے متون میں غور کرکے نتیجہ حاصل کیا جائے۔

ظاہر ہے بیشمار جزئیات ولا محدود مسائل میں سے ہر ایک مسئلہ کے لئے قرآن کی آیت یا صحیح حدیث پیش کرنے کی کوشش کرنا کوئی آسان کام نہ تھا لیکن امام نے کمر ہمت چست کی اور جہاں تک ممکن ہو سکا قرآنی آیات اور حدیث کے ذخیروں سے نفع اٹھانا شروع کیا[۱]۔ ان کے اس طرزِ عمل نے سب سے پہلا انقلابی اثر جو پیدا کیا وہ یہ تھا کہ بیچارے محدثین جواب تک ملک میں صرف ایک مقدس تبرک کی حیثیت رکھتے تھے اچانک ان کا علم کارآمد اور نتیجہ خیز ہوگیا۔ اسی لئے امام شافعیؒ کی کوششوں کا خلاصہ امام زعفرانی نے یہ بیان کیا ہے کہ۔

---

[۱] امام شافعیؒ نے اپنے ہم عصر علماء کے مقابلہ میں جو نئی راہ نکالی تھی اس کا اندازہ خطیب کی اس روایت سے بھی ہو سکتا ہے جسے ابوالفضل زجاج کے حوالہ سے اپنی تاریخ بغداد میں خطیب نے نقل کیا ہے روایت یہ ہے۔

لما قدم الشافعی الی بغداد کان فی الجامع	جن دنوں امام شافعی بغداد پہنچے تو اس زمانہ میں جامع بغداد میں تقریباً
اما نیف واربعون حلقۃ او خمسون حلقۃ فلما	چالیس یا پچاس حلقے درس کے قائم تھے لیکن جب شافعی بغداد آئے اور
دخل بغداد ما زال یقعد فی حلقۃ حلقۃ	ہر ہر حلقہ میں بیٹھکر کہنا شروع کیا اللہ یہ کہتا ہے اللہ کے رسول یہ کہتے
وھو یقول لھم قال اللہ وقال الرسول وھم	ہیں۔ اور دوسرے علماء کہا کرتے تھے میرے اصحاب یعنی اساتذہ نے
یقولون قال اصحابنا حتی ما بقی فی المسجد	یوں کہا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ امام شافعیؒ کے حلقہ کے سوا کوئی
حلقۃ غیرہ (تاریخ بغداد ج ۲ ص ۶۹)	حلقہ باقی نہ رہا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

كان اصحاب الحديث رقوداً حتى جاء الشافعي فايقظهم فتيقظوا۔ ؎۱ — حدیث والے سوئے ہوئے تھے یہاں تک کہ امام شافعیؒ آئے اور انھوں نے محدثین کو جگایا تب وہ جاگ پڑے۔

اوراب ان کو اپنی محنتوں کا ثمرہ ملنے لگا، غالباً امام احمد بن حنبلؒ امام شافعی سے شروع میں اس لئے بدگمان ہوئے ہوں گے کہ بزرگوں کے اقوال پر وہ اعتماد نہیں کرتے لیکن ان کی تحریروں کو پڑھ کر جب ان کو محسوس ہوا کہ یہ تو حدیث کی قیمت پیدا کر رہے ہیں تو بدگمانی جاتی رہی اور ان کے بڑے زبردست حامیوں میں ہو گئے ابنِ خلکان نے امام احمدؒ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

لم اعرف ناسخ الحديث من منسوخه حتى جالست الشافعي ؎۲ — یعنی حدیث کے منسوخ حصہ کو ناسخ حصہ سے الگ کرنیکا ڈھنگ اس وقت تک مجھے معلوم نہ ہوا جب تک امام شافعی کے پاس میرا اٹھنا بیٹھنا نہ ہوا تھا۔

بہرحال گذشتہ بالا اصول کو لیکر امام شافعیؒ مصر پہنچے جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں مصر پر مالکیوں کا اقتدار قائم تھا۔ درمیان میں ایک حنفی فقیہ اسمٰعیل آئے بھی تو پبلک نے ان کو ناپسند کیا، اور باوجود دیانت پر بھروسہ کرنے کے ان کے قیاسی طریقہ کو مصریوں نے اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ فقہ حنفی کے متعلق یہ وہ غلط العام بدگمانی ہے جس میں تقریباً ہر وہ شخص شروع میں مبتلا ہو جاتا ہے جس کی امام کے اصول اور ان کی نظر کی گہرائیوں تک رسائی نہیں ہوتی، جس کا اثر اب تک باقی ہے مصری بھی اس بدگمانی کے شکار تھے اور مدت تک سوءِ ظن کے اس مرض میں گرفتار رہے۔

یہی وجہ ہوئی کہ امام شافعیؒ جب مصر پہنچے تو ان کا مقابلہ براہ راست جن لوگوں سے ہوا وہ ان کے استاد امام مالک ہی کے تلامذہ اور متبعین تھے، امام مالک کے فقہ کا بڑا حصہ مدینہ منورہ کے فقہاء سبعہ اور اہل مدینہ کے عمل پر مبنی تھا، یا یوں کہئے کہ مدینہ کے عملی رسم و رواج کو اپنے فتووں میں امام مالک بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے مالکی علماء اپنے دعوی کو ثابت کرنے کے لئے نہ چنداں قرآنی آیت پیش کرنے کی ضرورت سمجھتے تھے اور نہ صحیح حدیث

؎۱ ابن خلکان ص ۴۴۷۔ ؎۲ ایضاً ص ۴۴۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی، فقہائے مدینہ کے اقوال ثبوت کے لئے کافی خیال کئے جاتے تھے۔ ان لوگوں کے سامنے امام شافعیؒ یہ اعلان کرتے تھے کہ صرف تبع تابعین یا تابعین ہی نہیں بلکہ صحابی بھی معصوم نہ تھے۔ اس لئے "معصوم" قانون کے لئے "معصوم اساس" کی ضرورت ہے وہ کتاب وسنت کے سوا اور دوسری چیز کیسے ہوسکتی ہے؟ کہا جاتا ہے کہ کبھی کبھی صحابہ تک کے متعلق امام شافعیؒ "نحن رجال وھم رجال" کہہ اٹھتے تھے (یعنی وہ بھی آدمی تھے اور ہم بھی آدمی ہیں)۔ جن لوگوں کے نزدیک ان ہی رجال کے اقوال کا محل استدلال میں پیش کردینا کافی خیال کیا جاتا ہو، ظاہر ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس طرز عمل کا ان پر کیا اثر مرتب ہوتا ہوگا۔ انتہا یہ ہے کہ اشہب جو مصر میں امام شافعیؒ سے پہلے امام خیال کئے جاتے تھے باوجودیکہ امام شافعیؒ کے استاد بھائی تھے اور فقیہ ہونے کی حیثیت سے امام شافعیؒ تک ان کے متعلق یہ تصدیق کرتے تھے کہ

ما اخرجت مصر افقہ من اشہب — مصر کی سرزمین اشہب سے زیادہ فقیہ آدمی نہ پیدا کرسکی، کاش! اس

لولا طیش فیہ، [1] — میں طیش کا جزر نہ ہوتا (غالباً مغلوب الغیظ تھے)۔

مگر اشہب کے اس طیش کا حال امام شافعیؒ کے مقابلہ میں بالآخر یہاں تک پہنچ گیا تھا کہ علمی نوک جھونک سے گذر کر وہ امام کے حق میں بددعائیں کرتے تھے چنانچہ خود ان کے رفیق درس عبداللہ بن الحکم کا بیان ہے کہ

سمعت اشہب یدعوا علی الشافعی بالموت [2] — میں نے اشہب سے سنا کہ وہ امام شافعیؒ کی موت کی دعا کرتے تھے۔

امام شافعی کو بھی ان کی اس بددعا کی خبر پہنچی تو یہ شعر پڑھنے لگے۔

تمنی رجالٌ ان اموت وان امت — فتلک سبیل لست فیھا باوحد

یعنی بعض لوگوں کی آرزو ہے کہ میں مرجاؤں اور میں اگر مرگیا تو یہ کوئی ایسی راہ نہیں ہے جس پر میں تنہا ہوں۔

لیکن جس مصر کو حنفی فقہ سے اس لئے متنفر کیا گیا تھا کہ اس میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ داؤپیچ کیا جاتا ہے اب اسی سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیکر سمجھایا جاتا تھا کہ معصوم کے مقابلہ میں غیر معصوم

---

[1] حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۱۲۲۔ [2] ابن خلکان ج ۱ ص ۷۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہستیوں کا قول و فعل کیسے حجت ہو سکتا ہے مالکی فقہاء نے مقابلہ کرنا چاہا لیکن امام اشہب کے مذکورہ بالا طرزِ عمل ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ کوسنے پر اتر آئے تو مقابلہ کے میدان میں کیا ٹھہر سکتے تھے آخر یہی ہوا کہ مصریوں پر روز بروز حضرت امام شافعیؒ کا اقتدار بڑھنے لگا اور آخر میں انتہا یہ ہوگئی کہ اشہب اور ابنِ وہب جیسے مالکی ائمہ و اساطین کے سب سے بڑے چہیتے شاگرد محمد بن عبداللہ بن الحکم نے مالکی طریقۂ اجتہاد کو ترک کرکے امام شافعیؒ کے مسلک کو اختیار کر لیا اور ان کے حلقۂ تلامذہ میں شریک ہوگئے[1] محمد بن الحکم جن کے متعلق سیوطی نے لکھا ہے کہ "کان افقہ زمانہ" ان کا مالکی مذہب ترک کرکے امام شافعیؒ کے حلقۂ درس میں شریک ہو جانا کوئی معمولی واقعہ نہ تھا سارا مصر بلکہ افریقہ میں ایک شور برپا ہو گیا پھر کیا تھا جوق در جوق ہر طرف سے طلبہ کھنچ کر امام شافعی کے درس میں حاضر ہونے لگے اسی سلسلہ میں بعض ایسے شاگرد بھی امام شافعیؒ کو ملے جنھوں نے اپنی ساری زندگی ان کے پروگرام کے لئے وقف کر دی، جن میں البویطی ابو یعقوب یوسف بن یحییٰ اور ربیع بن سلیمان الموذن اور حرملہ وغیرہ بزرگوں کے علاوہ المزنی ابو ابراہیم اسمٰعیل بن یحییٰ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان میں البویطی تو امام شافعیؒ کی وصیت کے مطابق ان کے حلقہ درس کے امام کی وفات کے بعد خلیفہ مقرر ہوئے، اور ربیع نے ان کے تصنیفی ذخیروں کی تدوین و ترتیب میں بڑا کام کیا، بلکہ سچ یہ ہے کہ بغداد میں جو کام امام سے جیسا کہ وہ چاہتے تھے نہ بن پڑا تھا، انہی شاگردوں کی بدولت اس کام کی تکمیل کا سامان غیب سے مہیا ہو گیا۔ اپنے تمام قدیم مجتہدات پر انھوں نے نظرِ ثانی کی، اور کتاب الام اپنی مشہور مطبوعہ کتاب کے سوا "الامالی الکبریٰ" "الاملاء الصغیر" مصر ہی میں مرتب فرمائی، یہیں انھوں نے اپنا مشہور "الرسالہ" لکھا جو آج ہزار سال سے زیادہ مدت کے بعد اصول فقہ میں اپنی آپ نظیر ہے بلکہ کہا جاتا ہے کہ اس فن کی پہلی کتاب یہی رسالہ ہے،

ان شاگردوں سے امام کو جو خاص تعلق تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مذکورہ بالا بزرگوں میں سے ہر ایک کے نام سے غالباً ان کے پڑھنے کے لئے آپ نے خاص کتابیں تصنیف فرمائیں جو مختصر البویطی، مختصر الربیع

---

[1] حسن المحاضرہ ص ۱۲۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مختصر المزنی کے نام سے مشہور ہیں، امام شافعی کو مصر میں اتنی مقبولیت کیوں حاصل ہوئی، اس کی ایک بڑی وجہ تو وہی تھی جو اوپر بیان کی گئی لیکن جہاں تک میرا خیال ہے اس سلسلہ میں ایک خاص جذبہ کو بھی تھوڑا بہت ضرور دخل تھا اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس زمانہ میں اسلامی علوم وفنون کی تدوین کا آغاز ہوا، عرب کے خاندانی افراد مثلاً قریش اور قریش کے مختلف خانوادوں کے لوگ عموماً سیاسی مشاغل اور حکومتی قصوں میں الجھے رہے، عام پبلک اور حکومت دونوں اسلام کی ایسی تفصیلی شکل کا مطالبہ کر رہے تھے جو زندگی کے تمام شعبوں اور ہر شعبہ کی تمام شاخوں پر عملاً منطبق ہو سکے، یہ ایک موقعہ تھا جس سے ملک کے ان خاندانوں نے نفع اٹھالیا۔ جن کا حکومت سے تعلق نہ تھا اور اسی لئے فقہ ہو یا حدیث، یا تجوید وقرأت ان تمام علوم کے ائمہ وماہرین کا تعلق زیادہ تر موالی یا ایسے خاندانوں سے ہے جنھیں ملک میں سیاسی حیثیت سے کوئی اہمیت نہ تھی۔

لیکن امام شافعی جنھوں نے فقہ کو حدیث وقرآن کے ساتھ وابستہ کرنے کا کام اپنے ہاتھ میں لیا، یہ عہدِ صحابہ وتابعین کے بعد پہلے قریشی امام ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ ان کی مقبولیت میں ایک حد تک ان کی اس نسبی خصوصیت کو بھی دخل ہے۔

صورت حال اس زمانہ میں کچھ ایسی آپڑی تھی کہ گو سیاستِ عالم کی باگ عربوں کے ہاتھ میں اسلام کی بدولت آگئی تھی لیکن اسلام نے "لا فضل لعربی علی عجمی" کا جو نعرہ بلند کیا تھا اس بنا پر ہر طبقہ اور ہر فرقہ کو وہ عرب سے تعلق رکھتا ہو یا عجم سے اپنی اپنی صلاحیتوں کے اظہار کا موقعہ اتنی آزادی سے مل گیا کہ چشمِ عالم نے شائد اس کا نظارہ نہ اس سے پہلے کیا تھا نہ اس کے بعد۔ کتابوں میں ایک مشہور واقعہ ہشام بن عبدالملک اموی خلیفہ کا نقل کیا جاتا ہے کہ ایک دن اس نے عطار سے دریافت کیا۔

اسلام کے امصار یعنی مرکزی شہروں کے علمار کے متعلق تم کچھ جانتے ہو، عطار نے کہا کہ کیوں نہیں یا امیرالمومنین تب ہشام نے پوچھا کہ مدینہ کا فقیہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا کہ نافع ابن عمر کے مولی (یعنی آزاد کردہ غلام) ہشام نے کہا کہ مکہ کا فقیہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا کہ عطار بن ابی رباح۔ ہشام نے پوچھا کہ وہ مولی ہیں یا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عربی ہیں؟ میں نے کہا نہیں وہ بھی مولیٰ ہی ہیں۔ ہشام نے کہا کہ یمن کا فقیہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا کہ طاؤس، پوچھا کہ مولی ہیں یا عربی؟ میں نے کہا کہ مولیٰ۔ اس نے پوچھا تو یمامہ والوں کا فقیہ کون ہے؟ میں نے کہا کہ یحیٰی بن کثیر، ہشام نے کہا کہ مولی ہیں یا عربی؟ میں نے کہا کہ مولی، اس نے پوچھا کہ شام والوں کا فقیہ کون ہے؟ میں نے کہا کہ مکحول، ہشام نے کہا کہ مولی ہیں یا عربی؟ میں نے کہا کہ مولی، تو جزیرہ والوں کا فقیہ کون ہے؟ ہشام نے کہا، میں نے عرض کیا میمون بن مہران، پوچھا کہ وہ مولی ہیں یا عربی، میں نے کہا نہیں وہ بھی مولی ہیں۔ اس نے کہا کہ بصرہ والوں کا فقیہ کون ہے؟ میں نے کہا کہ حسن بصریؒ اور ابن سیرین۔ ہشام نے پوچھا کہ یہ دونوں بھی مولی ہیں یا عربی، میں نے کہا کہ مولی اس نے کہا کہ تو کوفہ والوں کا فقیہ کون ہے؟ میں نے کہا کہ ابراہیم نخعی، ہشام نے پوچھا کہ وہ بھی مولی ہیں یا عربی؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں وہ تو عربی ہیں۔

عطار کہتے ہیں کہ آخری سوال کے جواب میں بجائے مولی کے جب ابراہیم نخعی کے متعلق میں نے کہا کہ وہ مولیٰ نہیں ہیں تو ہشام بولا

کادت تخرج نفسی ولا تقول واحد عربی[۱] قریب تھا کہ میری جان نکل جائے کہ تم ایک کو بھی عربی نہ کہتے۔

ظاہر ہے کہ مجبوری اور بات تھی ورنہ طبعاً عربوں کی خواہش یہی ہو سکتی تھی کہ علم اور دین میں بھی وہ دوسروں کے

۱ؔ اسلام کی پہلی صدی کے تقریباً تمام مرکزی شہروں کی دینی قیادت موالی (یعنی غیر عربی النسل افراد) کے ہاتھ میں پہنچ گئی تھی اور اس کا سلسلہ بعد کو بھی باقی رہا، اس رواداری کا ثبوت ہے جسے علماء اسلام نے پیش کیا ہے۔ ایک مذہب آخر دنیا میں وہ بھی تھا جس نے غیر آریائی کانوں کے لئے وید سننے کی یہ سزا مقرر کی تھی کہ اس میں پگھلا کر سیسہ پلا دیا جائے۔ اور ایک مذہب وہ بھی ہے جس نے سارے عرب کو ہاتھ باندھ کر عجم کے سامنے کھڑا کر دیا۔ یہ موالی کہاں کہاں کے تھے بڑا دلچسپ سوال ہے۔ شکر ہے کہ اس میں ہمارے ملک ہندوستان کا بھی کافی حصہ ہے، مکحول جو شام کے فقیہ تھے لکھا ہے کہ یہ نسلاً سندھ سے تعلق رکھتے تھے ان کے دادا کا نام ساول تھا۔ ابن خلکان نے یہ دلچسپ لطیفہ بھی لکھا ہے کہ کان سندیا لا یفصح (یعنی چونکہ سندھی تھے اس لئے عربی الفاظ کا صحیح تلفظ نہیں کر سکتے تھے۔) لکھا ہے کہ ساحر کے لفظ کو ساہر حاجۃ کو ہاجۃ کی شکل میں ادا کرتے تھے لیکن باوجود اس کے زہری امام المحدثین کہتے تھے۔ لم یکن فی زمنہ ابصر منہ بالفتیا (ابن خلکان ج ۲ ص ۱۲۲) یعنی فتوی دینے میں جیسی بصیرت ان کو حاصل تھی اپنے زمانہ میں ان سے بڑا اس باب میں کوئی نہ تھا۔

۲ؔ المناقب للموفق ج ۱ ص ۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دستِ نگر نہ ہوتے تو اچھا تھا۔ بلکہ خلفاء بنی امیہ جن میں جاہلی عصبیت کا اثر کچھ نہ کچھ باقی رہ گیا تھا، اندرونی طور پر چاہتے تھے کہ موالی کے اس اقتدار کو کم کیا جائے مگر اسلام نے آزادی کا جو پرچم بلند کیا تھا اکرمکم عند اللہ اتقاکم کے قرآنی اعلان کا وہ بیچارے کیا مقابلہ کرسکتے تھے۔ میری غرض یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا صرف عربی نہیں بلکہ عربوں میں بھی جو سب سے زیادہ مقتدر طبقہ قریش کا تھا چونکہ نسلاً اسی سے ان کا تعلق تھا اس لئے ایک وجہ عام رجحان کی خصوصاً حجازی عربوں کی ان کی طرف جو ہوئی یہ بھی تھی۔

بہرحال جیسا کہ بیان کرچکا ہوں، امام شافعیؒ کو مصر میں بیس سال تک علم کی خدمت کرنے کا موقع ملا اور اشہب جوان کی موت کی تمنا میں رہتے تھے ان سے ایک مہینہ پہلے آپ نے وفات پائی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ امام کے بعد ان کے کارناموں کی حفاظت و اشاعت کے لئے سعید و لائق شاگردوں کی ایک جماعت موجود تھی لیکن سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیا صورت پیش آئی کہ ان کی زندگی میں لوگوں پر جوان کا رعب تھا بظاہر وفات کے بعد اس کی وہ پہلی کیفیت باقی نہ رہی، یہی نہیں کہ ان کے بعد ان کے بعض شاگردوں مثلاً حرملہ نے امام کی رایوں سے اختلاف کرنا شروع کیا جیسا کہ نووی نے لکھا ہے کہ

لہ مذهب لنفسہ [1] — یعنی حرملہ اپنا خود ایک مستقل مذہب رکھتے ہیں

بلکہ وہی مالکی امام یعنی محمد بن عبداللہ بن الحکم جنھوں نے امام کے اثر سے مالکی طریقہ کو ترک کر کے ان کی شاگردی اختیار کرلی تھی، کہا جاتا ہے کہ

لما مات الشافعی رجع الی مذهب مالک [2] — جب امام شافعیؒ کا انتقال ہوگیا تو محمد بن عبداللہ بن الحکم پھر امام مالکؒ کے مسلک کی طرف پلٹ گئے۔

اور ٹھیک جس طرح مالکی مذہب کے ترک کرنے کا شافعی مسلک کی مقبولیت پر اثر پڑا تھا محمد بن عبداللہ بن الحکم کے برگشتہ ہوجانے سے بھی شافعیت کی تحریک مصر میں متاثر ہوئی۔

---

[1] حسن المحاضرہ ص ۱۲۳۔ [2] ایضاً ص ۱۲۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محمد بن عبداللہ الحکم نے امام شافعی کے مسلک میں کیا نقص محسوس کیا؟ افسوس ہے ابتک تاریخوں میں مجھے اس کا کوئی معتبر جواب نہیں ملا، بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان سے جس وقت کتاب اور سنت رسول (علیہ الصلوٰۃ) کا نام لیکر اپیل کی جاتی ہے تو انسان جو حتی الوسع یقین کا طالب ہے اس پر یہ آواز اثر انداز ہوتی ہے لیکن دوسری بات کہ امام مالکؒ مدینہ کے چند فقہاء کے اقوال کو اور امام ابوحنیفہ قیاس کو حدیث پر ترجیح دیتے ہیں، تجربہ سے عموماً یہ دعویٰ ہمیشہ بے بنیاد ثابت ہوا ہے، بلکہ تحقیق سے بالآخر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ کے فقہاء ہوں یا امام ابوحنیفہ اور ان کے کوفی اساتذہ حماد، ابراہیم نخعی، علقمہ، اسود، ان سبھوں کے فتووں کی بنیاد بالآخر کسی صحیح حدیث یا کم ازکم ان اصحابِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وعمل پر مبنی ہے۔ جن کے ساتھ قرآن میں اپنی رضامندی کا اظہار فرمایا گیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کی اتباع کا امت کو حکم دیا ہے، غالباً یہی واقعہ محمد بن عبداللہ کو بھی پیش آیا، لیکن اسی کے ساتھ شافعیت کی تحریک کا ایک نفع امت کو ہمیشہ یہ پہنچتا رہا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک پہنچتا رہیگا۔ کہ جب کبھی مسلمانوں کے علماء فقہ اور فقہی جزئیات میں غلو کرتے ہوئے قرآن وحدیث سے کچھ دور ہوئے ہیں تو ہمیشہ ہر ملک میں اس تحریک نے اٹھکر مسلمانوں کو چونکایا اور اصلی سرچشمہ سے کہیں یہ ٹوٹ نہ جائیں، اس مصیبت سے بچایا ہے۔ گویا قدرت نے اسلام میں اس جماعت کو حزب الاختلاف کی حیثیت سے پیدا کیا ہے جو تھوڑے تھوڑے دنوں کے بعد مسلمانوں کو مجبور کرتی رہی ہے کہ وہ اپنی مذہبی زندگی کا جائزہ لیں اور ان کو اساسی مستندات پر پیش کر کے جانچ لیا کریں اور اسی چیز نے بحمداللہ مسلمانوں کو کتاب وسنت سے (اگر کبھی یہ دور بھی ہو گئے ہیں) قریب رکھا ہے۔ امام احمد بن حنبل سے جو یہ منقول ہے کہ

ما بت منذ ثلاثین سنۃ الا وانا	تیس سال کی مدت میں میں نے کبھی نہیں رات گذاری مگر اس
ادعو للشافعی۔ [1]	حال میں کہ امام شافعیؒ کے لئے دعا کرتا ہوں۔

تو اس کا غالباً یہی مطلب ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کا امت پر یہ ہمیشہ کے لئے ایک بڑا احسان رہ گیا، اور یہ واقعہ ہے

---

[1] ابن خلکان ج ۱ ص ۱۴۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ ہمیشہ اس تحریک کے بعد ان لوگوں کو بھی جو ائمہ ہداۃ میں سے کسی امام کے مسلک کے ساتھ اپنے کو مقید رکھتے ہیں، ان کی نگاہ میں بھی تقلید کے ساتھ تحقیق کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے، گویا ان کی تقلید نری تقلید نہیں بلکہ تحقیقی تقلید ہوتی ہے، محمد بن عبد اللہ ہی کے متعلق کتابوں میں لکھتے ہیں کہ گو انھوں نے مالکی مسلک کو پھر قبول کر لیا تھا لیکن اسی کے ساتھ ساتھ امام شافعیؒ کی صحبت و تعلیم کا ان پر یہ اثر باقی رہ گیا تھا کہ

ربما یتخیر مذہب الشافعی عند ظہور الحجۃ ۔ ؎۱ — بسا اوقات وہ امام شافعیؒ کے مسلک کو اس وقت قبول کر لیتے تھے جب دلیل واضح ہو جاتی تھی۔

مگر کچھ بھی ہو، امام شافعیؒ کی وفات کے بعد ان کے مسلک کا وہ زور و شور مصر میں باقی نہ رہا۔ خصوصاً محمد بن عبد اللہ کے طرزِ عمل سے شافعیت کے بازار کی گرمی نسبتاً کچھ سرد سی پڑ گئی اور مختلف جہات سے امام پر نکتہ چینیاں شروع ہو گئیں۔ خصوصاً امام اشہب کے تلامذہ اور ماننے والوں کو تو اچھا موقعہ ہاتھ آیا جیسا کہ میں نے عرض کیا امام کے حلقۂ درس کا تعلق تو بویطی سے تھا اور کتابوں کی تدوین اور اشاعت کی ذمہ داری ربیع المؤذن نے لی تھی۔ لیکن مخالفت کے اس طوفان کے مقابلہ کے لئے امام کے شاگردوں میں جو شخص آستین چڑھا کر کھڑا ہو گیا وہ ان کے شاگرد المزنی ابو ابراہیم اسمٰعیل تھے اسی وجہ سے شافعی مورخین نے ان کا لقب ہی ناصر المذہب قرار دے رکھا ہے، واللہ اعلم، یہ روایت کہاں تک درست ہے، کہ

قال الشافعی فی حق المزنی ناصر مذہبی ؎۲ — خود امام شافعیؒ نے فرمایا کہ المزنی میرے مذہب کا ناصر اور یاور و مددگار ہوگا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ امام شافعیؒ نے بطور پیش گوئی کے، یا ان کی فطرت کا اندازہ فرمانے کے بعد کہا تھا کہ

المزنی لو ناظر الشیطان لغلبہ ؎۳ — اگر شیطان سے بھی مزنی کو مناظرہ کا موقعہ مل جائے تو شیطان کو بھی وہ دبا دیں گے۔

تاریخ میں ان کے لئے خاص خاص الفاظ غالباً اسی خدمت کے معاوضہ میں استعمال کئے جاتے ہیں مثلاً

کان جبل علم مناظر امحجاجا ؎۴ — وہ علم کے پہاڑ تھے مناظرہ کرنے والے اور بڑی زبردست حجت پیش کرنیوالے۔

(باقی آئندہ)

؎۱ حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۲۴ - ؎۲ ابن خلکان ج ۱ ص ۷۱ - ؎۳ و ؎۴ حسن المحاضرہ ص ۱۲۳ -

© rasailojaraid.com